نئے عہدنامہ کے الہامی مقام کا جائزہ
تاریخی حقائق ۔ اناجیل کے باہمی اختلافات و تضادات
محققین بائبل کے اعترافات

(مشہور پادری وھیری کے قرآن مجید پر اعتراضات کے جواب میں ایک ٹھوس علمی و تحقیقی مقالہ)

(سید میر محمود احمد ناصر۔ پرنسپل جامعہ احمدیہ ۔ ربوہ)

بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے کہ نیا عہدنامہ یونانی زبان میں لکھا گیا۔اس زبان میں نئے عہدنامہ کا کوئی ایک بھی معین و مسلّم نسخہ نہیں ملتا۔ ناواقف آدمی یہ دھوکہ کھاتے ہیں کہ نیا عہدنامہ بھی قرآن مجید کی طرح کوئی معین مسلّمہ متن پر مشتمل کتاب ہے۔حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے اور نئے عہدنامہ کے الہامی مقام کو شدید نقصان پہنچاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج جو نیا عہدنامہ ہمارے سامنے پیش کیا جاتا ہے وہ چھاپہ خانہ کی ایجاد سے پہلے کے قلمی مخطوطات کو سامنے رکھ کر مرتب کیا جاتا ہے اور یہ مخطوطات مختلف زمانوں اور مختلف علاقوں میں لکھے گئے اور مختلف قسم کے کاغذ پر اور مختلف طرزِ تحریر میں تحریر ہوئے۔ان مخطوطات میں جو سینکڑوں کی تعداد میں ہیں باہمی ہزاروں ہزار اختلافات ہیں۔ان مختلف مخطوطات کو مدنظر رکھ کر یہ کوشش کی جاتی ہے کہ پتہ لگایا جائے کہ اصل لکھنے والوں نے کیا لکھا تھا اور اس غرض سے ایک پورا فن وجود میں آ چکا ہے جو Textual Criticism کے نام سے موسوم ہے۔ یہاں مختصراً ان مخطوطات کا تعارف کروایا جاتا ہے اور ان کے باہمی اختلافات کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے۔

موجودہ نیا عہدنامہ مختلف مخطوطات سے مرتب کیا جاتا ہے

جن مخطوطات سے آج نیا عہدنامہ مرتب کیا جاتا ہے ان کو سہولت کے لئے چند جماعتوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔پہلی جماعت ان مخطوطات پر مشتمل ہے جو چوتھی صدی عیسوی سے دسویں صدی عیسوی کے درمیان لکھے گئے اور بڑے یونانی حروف میں مرقوم ہیں۔ چوتھی صدی عیسوی سے پہلے کے مخطوطات جن میں سے کوئی بھی مکمل شکل میں موجود نہیں سکرول (Scroll) کہلاتے تھے۔ کیونکہ وہ سکرول کی شکل میں لپیٹ کر رکھے جاتے تھے مگر چوتھی صدی کے بعد مخطوطات کتابی شکل اختیار کر گئے اور کوڈیکس کہلائے جانے لگے۔(اس لفظ کی جمع Codices ہے) مخطوطات کی یہ جماعت آج کل نیا عہدنامہ مرتب کرنے کے لئے سب سے اہم سمجھی جاتی ہے۔اس جماعت کے بعض اہم کوڈیکس یہ ہیں:

(۱)......کوڈیکس ‎:‏ (یہ عبرانی الف ہے) یا کوڈیکس Sinaiticus:

یہ کوڈیکس جرمن عالم ٹسچنڈارف کو طور سینا پر بنی ہوئی خانقاہ سینٹ کیتھرائن سے ملا جو اس نے زار روس کو تحفہ کے طور پر دیا اور روس میں انقلاب کے بعد برطانیہ نے خرید کر برٹش میوزیم میں محفوظ کر لیا۔

(۲)......کوڈیکس B یا کوڈیکس Vaticanus:

یہ مخطوطہ پوپ کی لائبریری میں ویٹیکن میں تھا اور نپولین بوناپارٹ نے جب اٹلی فتح کیا تو جو اشیاء وہ اپنی اظہار شان کے لئے ساتھ لایا ان میں یہ مخطوطہ بھی شامل تھا۔اور اس طرح علمی دنیا اس سے فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہوگئی۔

(۳)......کوڈیکس A یا کوڈیکس Alexandrinus:

یہ مخطوطہ ترکی کے یونانی کلیسیا کے بطریق Cyril Lucar نے شاہ انگلستان کو تحفہ دیا اور اب برٹش میوزیم لندن میں ہے۔

(۴)......کوڈیکس D یا کوڈیکس Bezae:

جو غالباً پانچویں صدی کا ہے اور ایک عالم Theodore Bezae نے کیمبرج یونیورسٹی کو تحفہ دیا اور اب یونیورسٹی کی لائبریری میں ہے۔

☆...... **مخطوطات کی دوسری جماعت** جس سے نیا عہدنامہ مرتب کرتے ہوئے مدد لی جاتی ہے جو نویں صدی عیسوی سے چھاپہ خانہ کی ایجاد تک لکھے

گئے اور

چھوٹے یونانی حروف میں رواں ہاتھ میں مرقوم ہیں اور نسبتاً زیادہ مقدار میں ہونے کی وجہ سے اور باہم مشابہت رکھنے کی وجہ سے ''خاندانوں'' میں تقسیم کرائے گئے ہیں۔ان میں سے فیملی (Family) نمبر ا، اور فیملی (Family) نمبر ۱۳، نئے عہدنامہ کی ترتیب وتدوین کے لئے زیادہ اہم سمجھی جاتی ہیں۔

☆...... **مخطوطات کی تیسری جماعت** مکمل مخطوطات پر مشتمل نہیں بلکہ چوتھی صدی سے قبل کے لکھے ہوئے مخطوطات کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں جو نیل کے ساحل پر اُگنے والے Papyrus کہلانے والے پودے سے بنائے گئے کاغذ پر ہیں۔ یہ کاغذ خشک آب وہوا میں تو کچھ محفوظ رہتا ہے مگر مرطوب آب وہوا میں ضائع ہوجاتا ہے۔گزشتہ ۷۰۔۸۰ سالوں میں ایسے مخطوطات کے ٹکڑوں کا انکشاف بالخصوص مصر کی خشک آب وہوا سے ہوا ہے اور انہیں نیا عہدنامہ مرتب کرتے ہوئے مدنظر رکھا جاتا ہے۔

☆...... **مخطوطات کی چوتھی جماعت** جو نئے عہدنامہ کے ایڈیشن مرتب کرتے ہوئے مدنظر رکھی جاتی ہے پرانے زمانہ میں کئے گئے نئے عہدنامہ کے تراجم ہیں جو لاطینی، آرامی اور مصر کی دو زبانوں بحیری اور صعیدی میں کئے گئے اور ثانوی اہمیت رکھنے والے تراجم جو آرمینی، گوتھک، ایتھوپی اور سلافونی زبانوں میں ہوئے۔اسلام سے قبل عربی زبان میں نئے عہدنامہ کا ترجمہ موجود تھا یا نہیں اس بارہ میں علماء بائبل میں اختلاف ہے۔

☆...... **مخطوطات کی پانچویں جماعت** جن سے نئے عہدنامہ کا متن متعین کرنے میں مدد لی جاتی ہے نئے عہدنامہ کے وہ اقتباسات ہیں جو پرانے عیسائی مصنفین نے گزشتہ صدیوں کے دوران اپنی تصانیف میں درج کئے۔

مذکورہ بالا مختصر خاکہ سے ظاہر ہے کہ **نئے عہدنامہ کا کوئی معین، مسلّمہ نسخہ موجود نہیں** بلکہ آج کی دنیا میں عیسائی دنیا جو نیا عہدنامہ مرتب کرکے پیش کرتی ہے وہ بہت سے مخطوطات سے مرتب کرنے والوں کی مرضی کے مطابق اخذ کرکے پیش کیا جاتا ہے اور یہ **مخطوطات آپس میں متعدد اختلافات رکھتے ہیں جن کی تعداد قریباً تین لاکھ تک جا پہنچتی ہے** اور ان مخطوطات سے نیا عہدنامہ مرتب کرنے کے لئے ایک باقاعدہ فن ظہور میں آچکا ہے جو Textual Criticism کے نام سے موسوم ہے۔

اس بارہ میں بائبل کے ایک معروف عالم لکھتے ہیں:

"It may be thought in the case of the Bible there is no need for textual investigation; that God would not allow textual errors to creep in to it during the years it has been handed down. But that is simply not true. God did not choose to exercise such a miraculous providence over the books of the Bible".

(The Dead Sea Scrolls and the Bible by Ronald E. Murphy,O. Cram. p37-38)

نئے عہدنامہ کے متن کی تصحیح کے جواز کے بارہ میں پوپ کا فتویٰ

نئے عہدنامہ کے ان مخطوطات میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں اور فن Textual Criticism کے ذریعہ جو نئے عہدنامہ کے متن کی تصحیح کی جاتی ہے اس کے جواز کے بارہ میں پوپ کا فتویٰ بھی موجود ہے۔ ۱۹۴۳ء میں پوپ نے جو فتویٰ اس بارہ میں جاری کیا اس میں کہا گیا:

"In the present day indeed this art, which is called Textual Criticism and which is used with great and praiseworthy results in the editions of profane writings is also quite rightly employed in the case of the Sacred Books because of that very reverence which is due to the Divine Oracles. For its very purpose is to insure that the sacred text be restored, as perfectly as possible, be purified from the corruption due to the carelessness of the copyists and be freed , as for as may be done, from glosses and omissions, for the interchange and repetitions of words and from all other kinds of mistakes, which are wont to make their way gradually in to writings handed down through many Centuries ."

(پوپ Pius XII کا خط بعنوان Divino Afflante Spirtu ۱۹۴۳ء)

مخطوطات کی کیفیت، باہمی اختلافات، تحریری غلطیاں، ارادۃً تبدیلیاں اور ایزادیاں

یہ امر بھی مدّنظر رہے کہ ان مخطوطات میں نہ صرف باہمی اختلافات ہیں اور تحریری غلطیاں اور لغزشیں ہیں بلکہ ارادۃً تبدیلیاں اور ایزادیاں بھی پائی جاتی ہیں۔اس کی ایک مشہور مثال مرقس کی انجیل کے آخری باب کی آخری آیات یعنی باب ۱۶ آیات ۸ تا ۲۰ ہیں۔موجودہ عیسائیت کی بنیاد حضرت مسیحؑ کے آسمان پر جانے پر رکھی گئی ہے مگر چونکہ اس کا ذکر قدیم تحریرات سے نہیں ملتا تھا اس لئے اس بے بنیاد عقیدہ کو درج کرنے کے لئے نئے عہدنامہ میں تحریف واضافہ کیا گیا اور مرقس کے آخر میں یہ آیات جو حضرت مسیحؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے ذکر پر مشتمل ہیں زائد کی گئیں۔اس بارہ میں امریکہ کی مشہور تفسیر بائبل Interpreters Bible

میں،جس میں بڑی ہوشیاری سے
رسمی عیسائی عقائد کو بچانے کی کوشش کی گئی ہے،لکھا ہے:

"One of the oldest attempts to supplement and finish Mark is the so called "longer endingo"(Vss.9-20). This is not found in the best MSS (B SK sys,etc.) and dates probably from the second century; it was compiled out of the data of the other Gospels, and even of Acts,and may have been originally independent list of resurrection appearances.The author was probably, as Burkitt and Conybere held, the second century presbyter Aristion or Ariston. It is attributed to him in an Armenian MS written in 989."

(*The Interpreters Bible . New york Abingdon. Cokesbury Press Neshvill Parthenon Press Nashville.U.S.A)*

اس حوالہ میں اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد کہ مرقس کی آخری آیات ۹ تا ۲۰ اصل کتاب میں نہیں تھیں، یہ پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس کا مضمون دوسری اناجیل سے لیا گیا ہے یا دوسری صدی کے بشپ Ariston نے لکھا ہے۔ بالفرض یہ دونوں باتیں تسلیم بھی کر لی جائیں تو سوال تو یہ ہے کہ کیا یہ اصل مرقس میں اضافہ اور تحریف ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو پھر اس کتاب کی الہامی حیثیت کیا رہ جاتی ہے اور کیا پادری وہیری صاحب کو افتراء کا اعتراض قرآن مجید کی بجائے نئے عہد نامہ پر کرنا چاہئے تھا یا نہیں؟

یہاں ضمناً یہ امر بھی مدنظر رہے کہ مرقس کی آخری آیات صرف مخطوطات کی گواہی کے نتیجہ میں الحاقی ثابت نہیں ہوتیں بلکہ خود مرقس کی اندرونی گواہی بھی یہی ہے کیونکہ اس آخری باب کی آٹھویں آیت کا اُردو ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:۔

''اور انہوں نے کسی سے کچھ نہ کہا کیونکہ وہ ڈرتی تھیں''۔

انگریزی ترجمہ اس طرح کیا جاتا ہے:

"And they said nothing to anyone,for they were afraid."

یہ ترجمہ پوری طرح درست نہیں۔اصل یونانی میں آٹھویں آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں:

(ایفو بونتو گار) اس کا ترجمہ ہے:' ڈرتی تھیں کیونکہ'، نہ کہ' کیونکہ ڈرتی تھیں'۔صاف ظاہر ہے کہ اصل مرقس میں کوئی وجہ ڈرنے کی بتائی گئی تھی جو بعد میں آنے والوں کو پسند نہیں آئی اور انہوں نے اس کو حذف کر کے اپنی طرف سے اضافہ کر دیا۔

مذکورہ بالا حوالہ میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ اگر چہ مرقس کی آخری آیات اصل مرقس کا حصہ تو نہیں مگر it was compiled out of the data of other gospels، کہ دوسری اناجیل سے یہ حصہ اخذ کیا گیا ہے۔ یہ دعویٰ Interpreters Bible کی دیانتداری کو مشتبہ کرنے والا ہے کیونکہ اس کے مصنفین یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اناجیل میں سے دو جو حواریوں کی طرف منسوب ہیں ان میں حضرت مسیحؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کا کوئی ذکر ہی نہیں۔اور لوقا کی انجیل میں بظاہر ذکر موجود ہے مگر مستند مخطوطات کی گواہی یہی ثابت کرتی ہے کہ اصل لوقا میں آسمان پر جانے کا کوئی ذکر نہیں تھا۔خود Interpreters Bible نے ہر صفحہ پر اپنی تشریح سے پہلے بائبل کے دو متن پہلو بہ پہلو دئے ہیں۔ایک شاہ جیمز کا متن اور ایک Revised Standard متن۔شاہ جیمز ورشن میں لوقا کی انجیل کے آخری الفاظ یہ ہیں:

"he was parted from them,and carried up in to heaven,and they worshipped him and returned to Jeruselem."

اس کا ترجمہ اردو تراجم میں اس طرح کیا جاتا ہے۔'' تو ایسا ہوا کہ ان سے جدا ہو گیا اور آسمان پر اٹھایا گیا اور وہ اس کو سجدہ کر کے بڑی خوشی سے یروشلم کو لوٹ گئے''۔(لوقا ۔۲۴:۵۱۔۵۲)

مگر Revised Standard ورشن میں اس طرح ترجمہ ہے:

"he parted from them and they returned to Jeruselem with great joy."

New English Bible میں اس کا ترجمہ اس طرح ہے:

."... he parted from them and they returned to Jeruselem with great joy."

گویا ترجمہ یوں ہوگا:'' وہ ان سے جدا ہو گیا اور وہ بڑی خوشی سے یروشلم کو لوٹ گئے''۔گویا اصل لوقا میں نہ حضرت مسیحؑ کے آسمان پر جانے کا ذکر تھا اور نہ حواریوں کے ان کو سجدہ کرنے کا۔ یہ بعد کا اضافہ ہے۔

پس Interpreters Bible کے مضمون نگار کا یہ کہنا کہ مرقس کی آخری آیات کا الحاقی اضافہ جن میں حضرت مسیحؑ کے آسمان پر جانے کا ذکر ہے دوسری اناجیل پر مبنی ہے،صریحاً غلط ہے۔

نئے عہد نامہ کے موجودہ مختلف ایڈیشنز میں اختلافات وتضادات

مذکور بالا مخطوطات کو چھوڑ کر نئے عہد نامہ کے موجودہ دنیا میں مطبوعہ ایڈیشن دیکھیں تو ان میں بھی تضاد اور اختلافات نظر آتے ہیں ۔متی اور لوقا دونوں اناجیل میں حضرت مسیحؑ کے نسب نامے یوسف کی معرفت دئے گئے ہیں حالانکہ یوسف سے ان کا براہ راست کوئی رشتہ نہ تھا۔مگر اس بات سے قطع نظر ان دونوں نسب ناموں میں ناموں کی تعیین میں بھی اختلاف ہے اور ناموں کی تعداد میں بھی ۔متی کے نسب نامہ میں ابراہام سے یوسف تک ۴۰ نام ہیں اور لوقا کے نسب نامہ میں ۵۴۔کیا ایک خدا کی دو کتابوں میں اس اختلاف کا تصور ممکن ہے؟

متی اور لوقا دونوں نسب نامے حضرت مسیحؑ کو حضرت داؤدؑ کی اولاد قرار دیتے ہیں اور یہ خیال یہود میں عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ آنے والا مسیح داؤد کی نسل سے ہوگا۔غالباً اس لئے انجیل نویسوں نے انہیں داؤد کی نسل سے ثابت کرنے کے لئے یوسف کے نسب نامے دئے ہیں۔مگر یہ بات یہود میں بحث طلب تھی کہ آنے والا مسیح حضرت داؤد کے کس بیٹے کی نسل سے ہوگا۔بعض کہتے ہیں کہ وہ حضرت داؤدؑ کے بیٹے حضرت سلیمانؑ کی نسل سے ہوگا،جبکہ بعض کا اصرار تھا کہ نہیں وہ حضرت داؤد کے بیٹے ناتن کی اولاد میں سے ہوگا۔دیکھئے انجیل نویسوں نے اپنے اپنے حلقہ میں یہ مسئلہ کس طرح حل کر دیا۔ متی نے حضرت مسیحؑ کو حضرت سلیمان کی نسل قرار دے دیا ہے اور لوقا نے ناتن کی نسل سے۔

پادری وہیری صاحب قرآن مجید پر نعوذ باللہ افتراء کا الزام لگاتے ہیں ان کا خود نئے عہد نامہ کی کتب کے بارہ میں کیا خیال ہے؟

......☆......☆......☆......

اس قسم کے اختلافات کی **ایک اور مثال** دیکھئے۔متی ،مرقس کی اناجیل بوضاحت کہتی ہیں کہ حضرت مسیحؑ نے اپنا اعلانِ ماموریت حضرت یوحنا کے قید ہو کر پکڑوائے جانے کے بعد کیا۔(دیکھیں متی باب ۴ آیت ۱۲ تا ۱۷۔مرقس باب ۱ آیت ۱۴)۔مگر یوحنا کی انجیل باب ۳ سے وضاحتاً معلوم ہوتا ہے کہ یوحنا کے پکڑوائے جانے سے عرصہ قبل حضرت مسیحؑ اعلان ماموریت کر چکے اور بیعتوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔

کیا پادری وہیری صاحب اس واضح اختلاف کے باوجود ان تینوں اناجیل کو خدا کا کلام قرار دیں گے؟۔

......☆......☆......☆......

پادری وہیری صاحب قرآن مجید پر افتراء ہونے کا الزام لگاتے ہیں لیکن وہ قرآن مجید کی کوئی ایسی پیشگوئی پیش نہیں کر سکتے جو جھوٹ ثابت ہوئی ہو کیونکہ وہ عالم الغیب خدا کا کلام ہے۔مگر نئے عہد نامہ سے بعض ایسی پیشگوئیاں پیش کی جاسکتی ہیں جو قطعی طور پر غلط نکلیں مثلاً ا۔تھسلنیکیوں میں پولوس کہتا ہے:

''جب ہمیں یہ یقین ہے کہ یسوع مر گیا اور جی اٹھا تو اسی طرح خدا ان کو بھی جو سو گئے ہیں یسوع کے وسیلہ سے اسی کے ساتھ لے آئے گا۔چنانچہ ہم تم سے خداوند کے کلام کے مطابق کہتے ہیں کہ ہم جو زندہ ہیں اور خداوند کے آنے تک باقی رہیں گے سوئے ہوؤں سے ہرگز ہرگز نہ بڑھیں گے۔کیونکہ خداوند خود آسمان سے للکار اور مقرب فرشتہ کی آواز اور خدا کے نرسنگے کے ساتھ اتر آئے گا۔اور پہلے تو وہ جو مسیح میں موئے جی اٹھیں گے پھر ہم جو زندہ باقی ہوں گے ان کے ساتھ بادلوں پر اٹھائے جائیں گے تاکہ ہوا میں خداوند کا استقبال کریں۔پس تم ان باتوں سے ایک دوسرے کو تسلّی دیا کرو''۔(ا۔تھسلنکیوں باب ۴آیت ۱۳تا ۱۸)

اگر پولوس نے یہ پیشگوئی اپنی طرف سے کی ہوتی تب بھی اس کا جھوٹ نکلنا نئے عہد نامہ پر اعتراض وارد کرتا کیونکہ مسیحی عقیدہ کے مطابق چاروں اناجیل اور پولوس اور دوسرے لوگوں کے خطوط یکساں طور پر کلامِ الٰہی ہیں۔مگر یہاں تو پولوس اس پیشگوئی کی بنیاد آیت نمبر ۱۵ کے مطابق حضرت مسیحؑ کے کلام پر رکھ رہا ہے۔اور اناجیل میں بھی حضرت مسیحؑ کے ایسے فقرات موجود ہیں جو اس پیشگوئی پر مشتمل ہیں چنانچہ متی باب ۲۴ میں حضرت مسیحؑ کا یہ ارشاد لکھتا ہے جس میں اس نسل کے ختم ہونے سے پہلے حضرت مسیحؑ کی آمدِ ثانی کا ذکر ہے۔حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں:

''اور فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد سورج تاریک ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گریں گے اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائیں گی اور اس وقت ابن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا اور اس وقت زمین کی سب قومیں چھاتی پیٹیں گی اور ابن آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی اور وہ نرسنگے کی بڑی آواز کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ اس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کے اِس کنارے سے اُس کنارے تک جمع کریں گے۔

اب انجیر کے درخت سے ایک تمثیل سیکھو۔جونہی اس کی ڈال نرم ہوتی اور پتے نکلتے ہیں تم جان لیتے ہو کہ گرمی نزدیک ہے ۔اسی طرح جب تم ان سب باتوں کو دیکھو تو جان لو کہ وہ نزدیک بلکہ دروازہ پر ہے۔مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ سب باتیں نہ ہو لیں یہ نسل ہرگز تمام نہ ہوگی۔آسمان اور زمین ٹل جائیں گے لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی''۔(متی ۲۴: ۲۹تا۳۵)

متی باب ۱۶ میں حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں:

''ابن آدم اپنے باپ کے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آئے گا۔اُس وقت ہر ایک کو اس کے کاموں کے مطابق بدلہ دے گا۔مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ

جو یہاں کھڑے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک ابن آدم کواس کی بادشاہی میں آتے ہوئے نہ دیکھ لیں گے موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے‘‘۔(متی ۱۶: ۲۷۔۲۸)

مرقس میں حضرت مسیحؑ کہتے ہیں:

’’جو کوئی اس زناکار اور خطاکار قوم میں مجھ سے اور میری باتوں سے شرمائے گا ابن آدم بھی جب اپنے باپ کے جلال میں پاک فرشتوں کے ساتھ آئے گا تو اس سے شرمائے گا۔اور اس نے ان سے کہا مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک خدا کی بادشاہی کو قدرت کے ساتھ آیا ہوا نہ دیکھ لیں موت کا مزہ نہ چکھیں گے‘‘۔(مرقس ۸: ۳۷۔۳۸)

مذکورہ بالا حوالہ جات سے صاف ظاہر ہے کہ نئے عہد نامہ کے مصنفین حضرت مسیحؑ کی یہ پیشگوئی قطعی سمجھتے تھے کہ آپ کی آمد ثانی پہلے دور کے اختتام سے پہلے ظہور پذیر ہو جائے گی مگر ایسا نہیں ہوا۔اور اب دو ہزار سال گزر جانے کے باوجود یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔

کیا پادری وہیری صاحب کو اب بھی قرآن مجید کے نعوذ باللہ افتراء ہونے اور نئے عہد نامہ کے کتاب مقدس اور کلامِ الٰہی ہونے پر اصرار ہے؟

......☆......☆......☆......

نئے عہد نامہ کے مستند کتاب ہونے کو یہ بات بہت صدمہ پہنچاتی ہے کہ نئے عہد نامہ کی تحریرات میں سے کوئی تحریر نہ حضرت مسیحؑ کی لکھی ہوئی ہے، نہ آپ کے کسی حواری کی۔

اناجیل اربعہ میں سے دو کے متعلق تو یہ بات معروف ہی ہے کہ وہ کسی حواری کی تصنیف نہیں، مرقس اور لوقا کی اناجیل مسلّمہ طور پر حواریوں کی تحریر نہیں۔مگر متی اور یوحنا کی اناجیل کے متعلق بعض وقت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ متی حواری اور یوحنا حواری کی تصنیف ہیں۔مگر یہ بات اب مسیحی مصنّفوں کی اپنی تحقیق سے غلط ثابت ہو چکی ہے۔اور یاد رہے کہ خود ان دونوں کتابوں میں کہیں اشارۃً بھی یہ دعویٰ موجود نہیں کہ یہ دونوں حواریوں کی تصنیف ہیں اور جیسا کہ ذکر ہوا اب مسیحی مصنفین بالعموم اقرار کرتے ہیں کہ یہ دونوں اناجیل متی حواری اور یوحنّا حواری کی تصنیف نہیں۔

انسائیکلو پیڈیا بریٹینیکا ایڈیشن ۱۹۷۵ء میں لکھا ہے:۔

"Although there is a Matthew named among the various lists of Jesus disciples, more telling is the fact that the name of Levi, the tax collector who is Mark became a follower of Jesus, in Matthew is changes to Matthew.It would appear from this that Matthew was claiming apostolic authority for his Gospel through this device but that the writer of Matthew is probably anonymous."

(دیکھیں زیر لفظ *Biblical Literature*)

اور یوحنا کی انجیل کے متعلق لکھا ہے:۔

"Irenaeus calls John the beloved disciple, who wrote the Gospel in Ephesus. Papias mentions John the son of Zebedee, the disciple, as well as another John, the presbyter, who might have been at Ephesus. From internal evidence the Gospel was written by a beloved disciple whose name is unknown. Because both external and internal evidence are doubtful, a working hypothesis is that John and the Johannine letters were written and edited somewhere in the East(perhapes Ephesus) as the product of a "school," or Johannine circle, at the end of the firest century ". (*Biblical Literature* دیکھیں زیر لفظ).

متی کی انجیل کے مصنّف متی حواری تھے یا نہیں؟ اس بارہ میں The Westminster Dictionary of the Bible میں لکھا ہے:

"The Question of authorship is no easy problem. There is a strong and consistent tradition in the early church that Matthew was the author. This tradition is confirmed: (1) by the conclusive evidence, furnished by the contents, that the writer of this Gospel was a Jewish Christian emancipated from Judaism; (2) by the improbability that so important a book would have been attributed to so obscure an apostle without good reason;(3) by the likelihood that a publican would keep records; by the modest way in which the writer speaks of the feast given by Matthew to Jesus". (ch.9:10 of Luke 5:29).

"On the other hand, many scholars feel that internal evidence makes it difficult to accept this tradition of the Early Church. Matthew reproduces about 90 percent of the subject matter of Mark in language very largley identical with that of Mark. Now it is highly improbable that an apostle would have used as a major source the work of one who in all likelihood had not been an eyewitness of the ministry of Jesus. Papias, bishop of Hierapdis in Phrygia, writing C. A. D. 140, may provide a key to this problem. Eusebius (H. E. iii. 39, 16) quotes him as saying,"Matthew collected the logia(sayings, or oracles) in the Hebrew language, and each one

interpreted them as he was able. This brief sentence is probably to be interpreted as follows. The Apostle Matthew (C.A.D 50) wrote down Jesus, saying in Aramaic. These sayings, with a brief frame of historical narrative were translated into Greek and thus constituted the document that scholars designate by the symbol (for German Quelle, source). This document and material from Mark and other sources were woven into what is now our First Gospel. By this hypothesis, The name Matthew, originally attached is the Aramaic source of Q, was transferred to the whole work which had incorporated it." (The Westminster Dictionary of the Bible by John D. Davis, Phd., D,LL.D., late professor of OldTestament Literature, Princeton Theological Seminary Revised and Rewritten by Henry Snyder Gehman, Phd., S.T.D Professor of Old Testament Literature and chairman of the Department of Biblical Literature Princeton theological Seminary and Lecturer in Semitic languages, Princeton University London and New York. Collins Clear Type Press. Glasgow-Toronto-Sydney and Auckland.)

یوحنا کی انجیل کے بارہ میں اسی کتاب میں لکھا ہے:۔

"Like the other Gospels the Fourth does not mention the writer's name but both internal and external considerations lend some support to the traditional belief that the work was written by the Apostle John. ....It must be stated, however, that many scholars today do not feel the cogency of the above reasoning. They believe that the author of the Fourth Gospel was distinct from John the apostle, who was the witness to whose testimony the author and his followers appeal (John 19:33;21:24) The Evangelist (The author Proper) was, according to these Scholars a disciple and follower of John the son of Zabedee (the apostle) and wrote from the reminiscences and the teaching of his master, an eyewitness. His name is either unknown to us or, more likely, was John the presbyter or Elder(cf.11 John I and III John I). Thus though the Apostle John was responsible for the Gospel, it was actually written by the pen of another; it is according to this view 'the Gospel of John the Elder according to John the Apostle'." *(John The Gospel according to زیرلفظ).*

پطرس کا دوسرا خط اگرچہ وضاحتاً کہتا ہے کہ ''شمعون پطرس کی طرف سے جو یسوع مسیح کا بندہ اور رسول ہے ان لوگوں کے نام جنہوں نے ہمارے خدا اور منجی یسوع مسیح کی راستبازی میں ہمارا قیمتی ایمان پایا ہے''۔

مگراس کے باوجود بالعموم مسیحی مصنفین وعلماء یہ لکھتے ہیں کہ یہ خط پطرس حواری کا نہیں ہے۔ ماضی میں بھی بعض بزرگ مسیحی اس بات کا انکار کرتے رہے ہیں کہ یہ خط پطرس کا ہے اوراب تو غالباً غالب اکثریت پطرس کے مصنف ہونے سے انکاری ہے۔Interpreters Bible جو بالعموم روایتی مسیحی عقیدہ کے حق میں بات کرتی ہے اس بارہ میں لکھتی ہے:

"When Irenaeus(Ca.AD.185) quoted words 'said by Peter', he invariably had in mind passages from I peter. His introductory formula, 'Peter says in his epistle,' implies that he recognised only one epistle as by Peter. He may have known only one epistle under Peter's name. Conceivably, however, he knew II Peter but rejected its authenticity. Contemporary leaders in the west, such as the author of the Muratorian canon, Tertullian, and Cyprian were similarly silent regarding II Peter.

Clement of Alexandria was an Eastern contemporary of these Western leaders. Eusebius says that in his Outlines clement gave 'Concise explanations of all the canonical scriptures,' including 'disputed' writings such as 'Jude and the Apocalypse known as Peter's. His statement clearly implies an acquaintance with II Peter. Clement's extant writings, however, contain no quotations from II Peter and reflect no acquaintance with it.

The earliest explicit reference to II Peter is made by Origin (AD. 217-51). He says that Peter 'left only one epistle of acknowledged genuineness'. Without trying to account for or refute current scepticism about the authenticity of a second epistle under Peter's name, he says simply, 'This is doubtful'. Eusebius (ca AD.325) included II Peter in his New Testament with the other Catholic epistles. He recognized, however that its canonization, was the outcome of its being 'read in public in most churches' rather than the result of any certainty of its authorship by Peter. Only I Peter he says, is recognised 'as genuine and acknowledged by the elders of olden times.' II Peter is used 'along with the other scriptures' despite the tradition that 'it was not canonical.' The Judgement prevailing in the Church caused Eusebius to describe II Peter as disputed, nevertheless familiar to the majority.'

Athnasius and Augustine both recognized II Peter as canonical. Neither says anything about its authenticity. Essentially the same position is taken by the third council of carthage(AD.397). Jerome at about this time expressed the Judgement that Peter 'wrote two epistles which are called Catholic.' "Because of differences in

style, however, he says that II Peter is considered by many not to have been by him."

The epistle names Peter as its author. Its message is said to be from 'Simon Peter, a Servant and apostle of Jesus Christ.'(I:I) This ascription is further emphasized by the authors allusion to Jesus prediction of Peter's martyrdom (I:14:cf. John 21: 18-19), his claim to have been with Jesus 'on the holy mountain' on the occasion of the Transfigurations (I:17-18 cf. Matth. 17:5, Mark. 9:7; Luke 9:35) and his implicit reference to I Peter as also written by him(3:1)

This Zeal of the epistle for its own authenticity creates more doubt than confidence and other data fail to support its claim. Differences in style from I Peter create insuperable difficulties for the new that the two epistles have a common author. Although both are probably pseudonymous, a strongest case can be made for the authenticity of I Peter. The possibility of Petrine authorship is definitely eliminated by data which locate the second epistle in the second century:(a) the incorporation of Jude as its second chapter;(b) the authors implicit classification of himself with a generation to whom the fathers' were known by tradition (3:2,4); (c) the recognition of Paul's letters as scripture(3:16);(d) the allusion to heretical misuse of Paul's letters(3:16)

Because he felt he wrote in Peter's spirit, this unknown Christian leader of the second century felt justified in attributing what he wrote to Peter that this was legitimate by current literary standards is shown by the titles of other second-Century such as the Gospel of Peter, the Acts of Peter, the teaching of Peter and the Preaching of Peter. Peter symbolized original and authoratative christaianity.By his authority, therefore,our author condemned heresy.*(The Interpreters Bible New York, A bingdon Press Nashville. Vol. XII)*

اس حوالہ میں مضمون نگار نہ صرف اس بارہ میں مجبور ہوا ہے کہ تسلیم کرے کہ پطرس حواری کی طرف منسوب دوسرا خط پطرس حواری کا نہیں بلکہ کسی غیر معلوم شخص نے دوسری صدی میں لکھ کر پطرس کی طرف منسوب کیا ہے بلکہ یہ بھی چلتے چلتے تسلیم کر لیا ہے کہ پطرس کا پہلا خط بھی دراصل پطرس حواری کا نہیں ہے۔ لہذا نہ ہی چار اناجیل کے علاوہ نئے عہد نامہ کی دوسری تحریرات حضرت مسیحؑ کی ہیں نہ ہی حضرت مسیحؑ کے حواریوں کی بلکہ بعد کی تحریرات ہیں جن میں سے بعض حواریوں کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔

☆☆......☆......☆☆

نئے عہد نامہ کی کتب بالخصوص اناجیل اربعہ میں حضرت مسیحؑ کے معجزات اس خیال سے بیان کئے گئے ہیں کہ آپ کی الوہیت ثابت کی جائے۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں نیا عہد نامہ الہامی کلام ہے، نہ الہام ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، نہ اس کے مصنفین اپنے آپ کو نبی یا مُلہَم قرار دیتے ہیں اور نہ نبی ہونے کے دعویٰ کے ساتھ انہوں نے اپنی نبوت کے حق میں کوئی معجزات دکھائے کہ ثابت ہو کہ وہ نبی ہیں اور ان کا کلام خدا کا کلام ہے۔ نبوت تو ایک طرف اگر اناجیل اربعہ کو غور سے دیکھا جائے تو ان کا ایک ٹھوس اور مستند تاریخ نویس ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔

کاسرِ صلیب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”مَیں نے انجیلوں پر ایک اعتراض یہ بھی کیا تھا کہ ان میں جس قدر معجزات لکھے گئے ہیں جن سے خواہ نخواہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی ثابت کی جاتی ہے وہ معجزات ہرگز ثابت نہیں کیونکہ انجیل نویسوں کی نبوت جو مدارِ ثبوت تھی ثابت نہیں ہو سکی اور نہ انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور نہ کوئی معجزہ دکھلایا۔ باقی رہا یہ کہ انہوں نے بحیثیت ایک وقائع نویس کے معجزات کو لکھا ہو سو وقائع نویسی کی شرائط بھی ان میں متحقق نہیں کیونکہ وقائع نویس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دروغگو نہ ہو اور دوسرے یہ کہ اس کے حافظہ میں خلل نہ ہو اور تیسرے یہ کہ وہ عمیق الفکر ہو اور سطحی خیال کا آدمی نہ ہو۔ چوتھے یہ کہ وہ محقق ہو اور سطحی باتوں پر کفایت کرنے والا نہ ہو۔ پانچویں یہ کہ جو کچھ لکھے چشمدید لکھے محض رطب و یابس کا پیش کرنے والا نہ ہو۔ مگر انجیل نویسوں میں ان شرطوں میں سے کوئی شرط موجود نہیں تھی۔ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ انہوں نے اپنی انجیلوں میں عمداً جھوٹ بولا ہے۔ چنانچہ ناصرہ کے معنی الٹے کئے اور عمانوایل کی پیشگوئی کو خواہ نخواہ مسیح پر جمایا اور انجیل میں لکھا کہ اگر یسوع کے تمام کام لکھے جاتے تو وہ کتابیں دنیا میں سما نہ سکتیں۔ اور حافظہ کا یہ حال ہے کہ پہلی کتابوں کے بعض حوالوں میں غلطی کھائی اور بہت سی بے اصل باتوں کو لکھ کر ثابت کیا کہ ان کو عقل اور فکر اور تحقیق سے کام لینے کی عادت نہ تھی بلکہ بعض جگہ ان انجیلوں میں نہایت قابل شرم جھوٹ ہے جیسا کہ متی باب ۵ میں یسوع کا یہ قول ہے کہ ”تم سن چکے ہو کہ اپنے پڑوسی سے محبت کر اور اپنے دشمن سے نفرت کر۔ حالانکہ پہلی کتابوں میں یہ عبارت موجود نہیں۔ ایسا ہی ان کا یہ لکھنا کہ تمام مردے بیت المقدس کی قبر سے نکل کر شہر میں آ گئے تھے، یہ کس قدر بیہودہ بات ہے اور کسی معجزہ کے لکھنے کے وقت کسی انجیل نویس نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ اس کا چشمدید ماجرا ہے۔ پس ثابت ہوتا ہے کہ وقائع نویسی کی شرائط ان میں موجود نہ تھیں۔ اور ان کا بیان ہرگز اس لائق نہیں کہ کچھ بھی اس کا اعتبار کیا جائے اور باوجود اس بے اعتباری کے جس بات کی طرف وہ بلاتے ہیں وہ نہایت ذلیل خیال اور قابل شرم عقیدہ ہے۔ کیا یہ بات عند العقل قبول کرنے کے لائق ہے کہ ایک عاجز مخلوق جو تمام لوازم انسانیت کے اپنے اندر رکھتا ہے خدا کہلاوے؟ کیا عقل اس بات کو مان سکتی ہے کہ مخلوق اپنے خالق کو کوڑے مارے اور خدا کے بندے اپنے قادر خدا

کے منہ پر تھوکیں اور اس کو پکڑیں اور اس کو سولی دیں اور وہ خدا ہو کر ان کے مقابلہ سے عاجز ہو؟ کیا یہ بات کسی کو سمجھ آسکتی ہے کہ ایک شخص خدا کہلا کر تمام رات دعا کرے اور پھر اس کی دعا قبول نہ ہو؟ کیا کوئی دل اس بات پر اطمینان پکڑ سکتا ہے کہ خدا بھی عاجز بچوں کی طرح نو مہینے تک پیٹ میں رہے اور خون حیض کھاوے اور آخر چیختا ہوا عورتوں کی شرمگاہ سے پیدا ہو؟ کیا کوئی عقلمند اس بات کو قبول کر سکتا ہے کہ خدا بے شمار اور بے ابتدا زمانہ کے بعد مجسم ہو جائے اور ایک ٹکڑا اس کا انسان کی صورت بنے اور دوسرا کبوتر کی اور یہ جسم ہمیشہ کے لئے ان کے گلے کا ہار ہو جائے''۔(کتاب البریہ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۸۵۔۸۷)

☆☆......☆......☆☆

انجیل کی اخلاقی تعلیمات پر ایک نظر

نئے عہد نامہ کے الہامی مقام کو اس کے مضامین کے لحاظ سے دیکھا جائے تو بھی اس کے مقام کی عظمت کا کوئی احساس پیدا نہیں ہوتا۔مغرب کے دانشور جو عیسائیت کے روایتی عقائد تثلیث،کفارہ،الوہیت مسیح کو الوداع کہہ چکے ہیں ابھی تک حضرت مسیحؑ کی شخصیت اور نئے عہد نامہ کی اخلاقی تعلیم سے متأثر معلوم ہوتے ہیں۔حضرت مسیحؑ کی شخصیت کے متعلق تو ہم پادری وہیری کے اعتراض کے جواب میں کچھ باتیں عرض کریں گے ۔جہاں تک اناجیل کی اخلاقی تعلیم کا تقاضا ہے اس تعلیم کو نادرۂ روزگار اور بے مثال قرار دیا جاتا رہا ہے۔کاسر صلیب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس تعلیم پر چار اصولی اعتراضات فرمائے ہیں:

(الف)......:یہ تعلیم ناقص اور نامکمل تعلیم ہے کیونکہ انسانی درخت کی شاخوں کی ایک شاخ کی آبیاری کرتی ہے۔باقی شاخوں کو بیکار چھوڑ دیا ہے۔

(ب)......:یہ تعلیم نادرہ روزگار اور بیمثال نہیں بلکہ نئے عہد نامہ سے پہلے عام ملتی تھی اور پرانے عہد نامہ طالمود اور بنی اسرائیل کی دوسری کتابوں میں لفظاً لفظاً موجود ہے۔

(ج)......:خدا تعالیٰ کی صفات کی جو تجلّی صحیفہ فطرت اور قانون قدرت میں ہو رہی ہے یہ تعلیم ان کے مطابق نہیں۔

(د)......:حضرت مسیحؑ کی طرف جو یہ تعلیم منسوب کی جاتی ہے خود انہوں نے بطور ایک اخلاقی معلم کے اس تعلیم پر عمل نہیں کیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''انسانی قویٰ کی تمام شاخوں میں سے صرف ایک شاخ حلم اور درگزر پر انجیل کی تعلیم زور دیتی ہے اور باقی شاخوں کا خون کیا ہے۔حالانکہ ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو کچھ انسان کو قدرتِ قادر نے عطا کیا ہے کوئی چیز اس میں سے بیکار نہیں ہے اور ہر ایک انسانی قوت اپنی اپنی جگہ عین مصلحت سے پیدا کی گئی ہے اور جیسے کسی وقت اور کسی محل پر حلم اور درگزر عمدہ اخلاق میں سے سمجھے جاتے ہیں،ایسا ہی کسی وقت غیرت اور انتقام۔اور انتقام اور مجرم کو سزا دینا اخلاق فاضلہ میں سے شمار کیا جاتا ہے نہ ہمیشہ درگزر اور عفو قرین مصلحت ہے اور نہ ہمیشہ سزا اور انتقام مصلحت کے مطابق ہوتا ہے۔یہی قرآنی تعلیم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے {جَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ } یعنی بدی کی جزا اسی قدر ہے جس قدر بدی کی گئی مگر جو کوئی عفو کرے اور اس عفو میں کوئی اصلاح مقصود ہو تو اس کا اجر خدا کے پاس ہے۔

(حاشیہ:قرآن شریف نے بے فائدہ عفو اور درگزر کو جائز نہیں رکھا کیونکہ اس سے انسانی اخلاق بگڑتے ہیں اور شیرازہ نظام درہم برہم ہو جاتاہے۔اس عفو کی اجازت دی ہے جس سے کوئی اصلاح ہو سکے)

یہ تو قرآن شریف کی تعلیم ہے مگر انجیل میں بغیر کسی شرط کے ہر ایک جگہ عفو اور درگزر کی ترغیب دی گئی ہے اور انسانی دوسرے مصالح کو جن پر تمام سلسلہ تمدّن کا چل رہا ہے پامال کر دیا ہے اور انسانی قویٰ کے درخت کی تمام شاخوں میں سے صرف ایک شاخ کے بڑھنے پر زور دیا ہے۔اور باقی شاخوں کی رعایت قطعاً ترک کر دی گئی ہے۔پھر تعجب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود اخلاقی تعلیم پر عمل نہیں کیا۔انجیر کے درخت کو بغیر پھل کے دیکھ کر اس پر بددعا کی اور دوسروں کو دعا کرنا سکھلایا اور دوسروں کو یہ بھی حکم دیا کہ تم کسی کو احمق مت کہو مگر خود اس قدر بدزبانی میں بڑھ گئے کہ یہودی بزرگوں کو ولد الحرام تک کہہ دیا اور ہر ایک وعظ میں یہودی علماء کو سخت سخت گالیاں دیں اور بُرے بُرے ان کے نام رکھے۔اخلاقی معلم کا فرض یہ ہے کہ پہلے آپ اخلاقِ کریمہ دکھلاوے۔پس کیا ایسی ناقص تعلیم جس پر انہوں نے آپ بھی عمل نہ کیا خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو سکتی ہے؟ پاک اور کامل تعلیم قرآن شریف کی ہے جو انسانی درخت کے ہر ایک شاخ کی پرورش کرتی ہے۔اور قرآن شریف صرف ایک پہلو پر زور نہیں ڈالتا بلکہ کبھی تو عفو اور درگزر کی تعلیم دیتا ہے مگر اس شرط سے کہ عفو کرنا قرین مصلحت ہو اور کبھی مناسب محل اور وقت کے مجرم کو سزا دینے کے لئے فرماتا ہے۔پس درحقیقت خدا تعالیٰ کے اس قانون قدرت کی تصویر ہے جو ہمیشہ ہماری نظر کے سامنے ہے ۔یہ بات نہایت معقول ہے کہ خدا کا قول اور فعل دونوں مطابق ہونے چاہئیں یعنی جس رنگ اور طرز پر دنیا میں خدا تعالیٰ کا فعل نظر آتا ہے ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ کی سچی کتاب اپنے فعل کے مطابق تعلیم کرے۔نہ یہ کہ فعل سے کچھ اور ظاہر ہو اور قول سے کچھ اور ظاہر ہو۔خدا تعالیٰ کے فعل میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیشہ نرمی اور درگزر نہیں بلکہ وہ مجرموں کو طرح طرح کے عذابوں سے سزایاب بھی کرتا ہے۔ایسے عذابوں کا پہلی کتابوں میں بھی ذکر ہے۔ہمارا خدا صرف حلیم خدا نہیں بلکہ وہ حکیم بھی ہے اور اس کا قہر بھی عظیم ہے ۔سچی کتاب وہ کتاب ہے جو اس کے قانون قدرت کے مطابق ہے اور سچا قول الٰہی وہ ہے جو اس کے فعل کے مخالف نہیں۔ہم نے کبھی مشاہدہ نہیں کیا کہ خدا نے اپنی مخلوق

کے ساتھ ہمیشہ حلم اور درگزر کا معاملہ کیا ہو اور کوئی عذاب نہ آیا ہو۔ اب بھی ناپاک طبع لوگوں کے لئے خداتعالیٰ نے میرے ذریعہ سے ایک عظیم الشان اور ہیبتناک زلزلہ کی خبر دے رکھی ہے جو ان کو ہلاک کرے گا۔ اور طاعون بھی ابھی دور نہیں ہوئی ۔ پہلے اس سے نوحؑ کی قوم کا کیا حال ہوا، لوطؑ کی قوم کو کیا پیش آیا ! سو یقیناً سمجھو کہ شریعت کا ماحصل تخلّق باخلاق اللہ ہے یعنی خدائے عزوجل کے اخلاق اپنے اندر حاصل کرنا۔ یہی کمالِ نفس ہے۔ اگر ہم یہ چاہیں کہ خدا سے بھی بڑھ کر کوئی نیک خلق ہم میں پیدا ہو تو یہ بے ایمانی اور پلید رنگ کی گستاخی ہے اور خدا کے اخلاق پر ایک اعتراض ہے"۔ (چشمہ ٔمسیحی ، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۷،۴۳،۴۵)

حضرت مسیحؑ کی اخلاقی تعلیم جو نئے عہد نامہ میں ہے اس کے سابقہ کتب میں پائے جانے اور ان سے ماخوذ ہونے کے بارہ میں آپ فرماتے ہیں:۔

"صاحب ینابیع الاسلام نے اگر یہ کوشش کی ہے کہ قرآن شریف فلاں فلاں قصوں یا کتابوں سے بنایا گیا ہے یہ کوشش اس کی اس کوشش کے ہزاروں حصہ پر بھی نہیں جو ایک فاضل یہودی نے انجیل کی اصلیت دریافت کرنے کے لئے کی ہے۔ اس فاضل نے اپنے خیال میں اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ انجیل کی اخلاقی تعلیم یہودیوں کی کتاب طالمود اور بعض اور چند بنی اسرائیل کی کتابوں سے لی گئی ہے اور یہ چوری اس قدر صریح طور پر عمل میں آئی ہے کہ عبارتوں کی عبارتیں بعینہٖ نقل کر دی گئی ہیں۔ اور اس فاضل نے دکھلا دیا ہے کہ انجیل مجموعہ مالِ مسروقہ ہے۔ درحقیقت اس نے حد کر دی اور خاص کر پہاڑی تعلیم کو جس پر عیسائیوں کو بہت ناز ہے طالمود سے اخذ کرنا لفظ بلفظ ثابت کر دیا ہے اور دکھلا دیا ہے کہ یہ طالمود کی عبارتیں اور فقرے ہیں اور ایسا ہی دوسری کتابوں سے مسروقہ عبارتیں نقل کر کے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ چنانچہ خود یورپ کے محقق بھی اس طرف دلچسپی سے متوجہ ہو گئے ہیں"۔ (چشمہ ٔمسیحی ، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۳۹)

یہ تحقیق جس کا بیج اس زمانہ میں بویا گیا اب ایک مسلّمہ حقیقت قرار پا چکی ہے۔ معروف عالمِ بائبل Geddes Macgregor حضرت مسیحؑ کی اخلاقی تعلیم کے ذکر میں لکھتے ہیں:

"His ethical teaching was in no way radically different from the loftiest traditions of the Judaism into which he was born. This is plain from a careful reading of the Old Testament itself; the recently discovered Dead Sea Scrolls corroborate the already well established fact that as an ethical teacher Jesus gave his hearers a massage, which, however powerfully presented and convincingly demonstrated was not so distinctive as to be accounted a novel. In his ethical teaching Jesus in many ways highly conservative. True, he emphasised certain elements in the now rich Jewish tradition and disapproved of certain tendencies he noted in his development but this would be trueof any teacher worth listening to."*(The Bible in making p.24 .by Geddes Macgragor)*

امریکہ کی معروف مذہبی شخصیت (اب آنجہانی) Rev.Charles Francis Potter لکھتے ہیں:

"Moreover,it is extremely embarrassing to read the best part of the Sermon on the mount,for instance, in the Enochan and other similar Essene writings, such as Jubilees, the Psalms of Solomon, and the Testamant of the twelve Patriarchs, when we have found actual pre-Christian manuscripts of them in Cave 4."

(The Lost Years of Jesus Revealed p.75. by The Rev.Dr.Charles Francis Potter)

☆☆......☆......☆☆

انجیلی تعلیم مختص الزمان، مختص القوم تھی

پادری وہیری صاحب اپنی کتابوں کو کلام الٰہی ٹھیراتے ہیں اور قرآن شریف کو افتراء (نعوذ باللہ) ٹھیراتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کی کتابوں کا دائرہ خود ان کی اپنی تحریرات کے مطابق بنی اسرائیل کے لئے محدود ہے، نہ تمام دنیا کے لئے اور نہ ہمیشہ کے لئے۔ اور ان کی تعلیمات بھی ایک محدود عرصہ کے لئے اور ایک محدود دائرہ میں قابلِ عمل ہو سکتی ہیں۔ ہمیشہ کے لئے اور ساری دنیا کے لئے ان پر عمل ناممکن ہے۔ حضرت کاسرِ صلیب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"ماسوا اس کے قرآن شریف کے وجود کی ضرورت پر ایک اور بڑی دلیل یہ ہے کہ پہلی تمام کتابیں موسیٰ کی کتاب توریت سے انجیل تک ایک خاص قوم یعنی بنی اسرائیل کو اپنا مخاطب ٹھیراتی ہیں اور صاف اور صریح لفظوں میں کہتے ہیں کہ ان کی ہدایتیں عام فائدہ کے لئے نہیں بلکہ صرف بنی اسرائیل کے وجود تک محدود ہیں ۔مگر قرآن شریف کے مدنظر تمام دنیا کی اصلاح ہے"۔ (کتاب البریہ)

پھر فرماتے ہیں:

"عیسائیوں کے محقق اس بات کے بھی مصرّ ہیں کہ ایک عیسائی اپنے مذہب کی رو سے انسانی سوسائٹی میں نہیں رہ سکتا اور نہ تجارت کر سکتا ہے کیونکہ انجیل میں امیر بننے اور کل کی فکر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ایسا ہی کوئی سچا عیسائی فوج میں بھی داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ دشمن کے ساتھ محبت کرنے کا حکم ہے۔ ایسا ہی اگر کامل عیسائی ہے تو اس کو شادی کرنا بھی منع ہے۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انجیل ایک مختص الزمان اور مختص القوم قانون کی طرح تھی جس کو حضرات عیسائیوں نے

عام ٹھہرا کر صدہا اعتراض اس پر وا رد کرائے‘‘۔(کتاب البریہ)

پرانے عہد نامہ کے متعلق تو مسیحی خود تسلیم کرتے ہیں کہ اس کا پیغام اور اس کی تعلیمات بنی اسرائیل کے لئے محدود تھیں مگر نیا عہد نامہ یہ بھی ظاہر کر رہا ہے کہ بعد کے مسیحی خیالات کے برخلاف خود حضرت مسیحؑ اپنے مشن کو ایک محدود زمانہ کے لئے اور صرف ایک قوم کے لئے محدود سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں:

’’مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔لیکن جب وہ سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا‘‘۔(یوحنا ۱۶: ۱۲۔۱۳)

’’یہ نہ سمجھو کہ مَیں توریت یا نبیوں کی کتابیں منسوخ کرنے آیا ہوں۔منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے کلموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا کیونکہ مَیں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تمہاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں کی راستبازی سے زیادہ نہ ہوگی تو تم آسمان کی بادشاہی میں ہرگز داخل نہ ہوگے‘‘۔(متی ۵: ۱۷۔۲۰)

حضرت مسیحؑ نے اپنے بارہ حواریوں کو ارشاد فرمایا: ’’غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا‘‘۔(متی ۱۰: ۵۔۶)

متی کا انجیل نویس لکھتا ہے:

’’پھر یسوع وہاں سے نکل کر صور اور صیدا کے علاقہ کو روانہ ہوا اور دیکھو ایک کنعانی عورت ان سرحدوں سے نکلی اور پکار کر کہنے لگی: ’’اے خداوند ابن داؤد !مجھ پر رحم کر ایک بدروح میری بیٹی کو بُری طرح ستاتی ہے‘‘۔مگر اس نے اسے کچھ جواب نہ دیا اور اس کے شاگردوں نے پاس آ کر اس سے عرض کی کہ اسے رخصت کر دے کیونکہ وہ ہمارے پیچھے چلاّتی ہے۔اس نے جواب میں کہا کہ مَیں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔مگر اس نے آ کر اسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند!میری مدد کر۔اس نے جواب میں کہا لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں۔اس نے کہا ہاں خداوند کیونکہ کتے بھی ان ٹکڑوں میں سے کھاتے ہیں جو ان کے مالکوں کے میز سے گرتے ہیں۔اس پر یسوع نے جواب میں اس سے کہا: ’’اے عورت!تیرا ایمان بہت بڑا ہے جیسا تو چاہتی ہے تیرے لئے ویسا ہی ہو‘‘۔اور اس کی بیٹی نے اسی گھڑی شفا پائی‘‘۔(متی ۱۵: ۲۱۔۲۸)

کیا پادری وہیری صاحب اب بھی اپنے صحائف کی موجودگی میں قرآن مجید کی ضرورت محسوس نہیں کرتے جس کا پیغام ہے ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا﴾۔

قرآن کریم کے نعوذ باللہ اپنے افتراء ہونے کی گواہی مہیا کرنے کا جو سوال پادری وہیری صاحب نے اٹھایا ہے ہم اس سوال کے جواب کو اس بات پر ختم کرتے ہیں کہ قرآن مجید اپنے فی ذاتہٖ معجزہ ہونے اور کامل کتاب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔مگر چاروں اناجیل میں سے کوئی بھی اپنے بارہ میں اس قسم کا دعویٰ نہیں کرتی۔حضرت کاسرِ صلیب علیہ الصلوٰۃ والسلام ڈپٹی عبداللہ آتھم کو مباحثہ امرتسر میں مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

’’............یہ قرآن کا دعویٰ ہے جس کو وہ اپنی تعلیم کی نسبت آپ بیان فرماتا ہے اور پھر آگے چل کر اس کا ثبوت بھی آپ ہی دے گا۔لیکن چونکہ اب وقت تھوڑا ہے اس لئے وہ جواب الجواب میں لکھایا جاوے گا۔بالفعل ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب کی خدمت میں یہ التماس ہے کہ بپابندی ان امور کے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں انجیل شریف کا دعویٰ بھی اس طرز اور اس شان کا پیش کریں کیونکہ ہر ایک منصف جانتا ہے کہ ایسا تو ہرگز ہو نہیں سکتا کہ مدعی سست اور گواہ چست۔خاص کر اللہ جلّ شانُہ جو قوی اور قادر اور نہایت درجہ کے علوم وسیع رکھتا ہے۔جس کتاب کو ہم اس کی طرف منسوب کریں وہ کتاب اپنی ذات کی آپ قیّوم چاہئے کیونکہ اگر وہ کسی دوسرے کے سہارا کی اپنی دعویٰ میں اثباتِ دعویٰ میں محتاج ہے تو وہ خدا کا کلام ہرگز نہیں ہو سکتا۔اور یہ مکرّر یاد رہے کہ اس وقت صرف مدّعا یہ ہے کہ جب قرآن کریم نے اپنی تعلیم کی جامعیت اور کاملیت کا دعویٰ کیا ہے یہی دعویٰ انجیل کا وہ حصہ بھی کرتا ہو جو حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور کم سے کم اس قدر تو ہو کہ حضرت مسیحؑ اپنی تعلیم کو مختتم قرار دیتے ہوں اور کسی آئندہ وقت پر انتظار میں نہ چھوڑتے ہوں‘‘۔(جنگ مقدس)

اس سوال کے جواب میں ڈپٹی عبداللہ آتھم نے نئے عہد نامہ کے جو حوالہ جات پیش کئے ہیں ان میں نئے عہد نامہ یا اس کی کتابوں کی جامعیت اور کاملیت اور بے مثل ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں بلکہ حضرت مسیحؑ کی تعلیم کے واجب العمل ہونے کا دعویٰ ہے۔سوال تو یہ تھا کہ کیا قرآن شریف کی طرح نئے عہد نامہ نے یا اس کی کسی کتاب نے اپنے بے مثل اور جامع اور کامل ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟۔ایسا کوئی دعویٰ ان کتب میں موجود نہیں۔

ڈپٹی عبداللہ آتھم نے جو حوالہ جات پیش کئے ان میں اناجیل اربعہ میں سے صرف ایک حوالہ ہے جو یوحنا ۱۲: ۴۴۔۵۰ سے ماخوذ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :

’’یسوع نے پکار کر کہا جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ مجھ پر نہیں بلکہ میرے بھیجنے والے پر ایمان لاتا ہے اور جو مجھے دیکھتا ہے وہ میرے بھیجنے والے کو دیکھتا ہے

۔مَیں نور ہوکر دنیا میں آیا ہوں تا کہ جو کوئی مجھ پر ایمان لائے اندھیرے میں نہ رہے۔ اگر کوئی میری باتیں سن کر ان پر عمل نہ کرے تو مَیں اس کو مجرم نہیں ٹھہراتا کیونکہ مَیں دنیا کو مجرم ٹھہرانے نہیں بلکہ دنیا کو نجات دینے آیا ہوں۔ جو مجھے نہیں مانتا اور میری باتوں کو قبول نہیں کرتا اس کا ایک مجرم ٹھہرانے والا ہے یعنی جو کلام مَیں نے کیا ہے آخری دن وہی اسے مجرم ٹھہرائے گا کیونکہ مَیں نے کچھ اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ باپ جس نے مجھے بھیجا ہے اسی نے مجھے حکم دیا ہے کہ کیا کہوں اور کیا بولوں اور مَیں جانتا ہوں کہ اس کا حکم ہمیشہ کی زندگی ہے۔ پس جو کچھ مَیں کہتا ہوں جس طرح باپ نے مجھے فرمایا ہے اسی طرح مَیں کہتا ہوں‘‘۔(یوحنّا ۱۲:۴۴۔۵۰)

اس عبارت میں کسی جگہ اشارۃً بھی متی یا مرقس یا لوقا یا یوحنّا کی اناجیل کے جامع اور کامل اور بے مثل کتب ہونے کا دعویٰ نہیں، نہ یہ کتب اس وقت موجود تھیں جب حضرت مسیحؑ نے یہ فقرات کہے، نہ حضرت مسیحؑ کو ان کتب کا کچھ علم تھا۔ یہاں تو حضرت مسیحؑ اپنے واجب الاطاعت ہونے اور اپنے خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے ہونے کا دعویٰ پیش کر رہے ہیں اور ہمیں اس سے پورا اتفاق ہے۔ حضرت مسیحؑ خدا نہیں بلکہ خدا کے بھیجے ہوئے یعنی اس کے رسول تھے اور جن کے سامنے وہ فقرات کہہ رہے تھے ان کے لئے واجب الاطاعت تھے۔ متی یا لوقا یا مرقس یا یوحنّا کی اناجیل کے کامل ہونے، بے مثل ہونے، جامع ہونے کا یہاں کوئی دور کا بھی ذکر نہیں۔

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۲۰، ۲۷/دسمبر ۲۰۰۲ء)